مولانا عبدالقیوم حقانی

موجودہ بحران کا واحد حل

اسلامی نظامِ تعلیم کی ترویج

آج ملک کی سیاسی، انتظامی، اقتصادی، تعلیمی اور دفاعی صورتحال پر سب کو تشویش ہے۔ اُنہیں بھی جو اقتدار میں ہیں اور اُنہیں بھی جو حزبِ اختلاف میں ہیں، اُنہیں بھی جنہیں مُلکی سالمیت کی حفاظت سونپی گئی ہے اور اُنہیں بھی جنہیں مُلکی مفاد اور قومی استحکام کے کسی بھی اقدام کے ابجد سے واقفیت نہیں۔

اس کے حل میں پیش رفت اور مقصد کا حصول کبھی ۵۶ء کا دستور قرار دیا گیا، کبھی قراردادِ مقاصد کو دستور کا حصہ بنا دیا گیا، کبھی ۷۳ء کا دستور بنا یا گیا، کبھی وفاقی شرعی عدالت کا قیام عمل میں لایا گیا، کبھی آٹھویں اور نویں ترمیم سے جی بہلایا گیا اور کبھی بارہویں ترمیم سے ورغلایا گیا۔

مگر کیا اس سے حقیقت کا سراغ مل گیا؟ معاشرہ میں امن وامان اور عدل وانصاف کو راہ مل سکی؟ لوگوں کو سُکھ کا سانس لینے کے مواقع مل گئے؟ نئی نسل کا مستقبل محفوظ ہوگیا؟ ڈاکوؤں، لٹیروں، قاتلوں، راہزنوں اور قومی سلامتی کے دشمنوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا سکا؟ نظامِ شریعت، قرآنی احکام، حدود وقصاص کے خلاف غلیظ اور بازاری زبان استعمال کرنے والوں اور رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو "ریگستانی اور جاہلی معاشرہ کا نبی" قرار دینے والے گستاخانِ رسول منہ پھٹ سیاستدانوں کو قرار واقعی سزا دینے کے بارے میں کوئی مناسب منصوبہ بندی کی جا سکی؟ — ظلمت چھاتی گئی اور الحاد و بے دینی کے لیے راستہ بنتا گیا مگر اخلاقی اقدار، شرافت، انقلابی فکر، آفاقی نظریہ، امنِ عالم کی ضمانت پر مبنی نظام کی ترویج اور اشاعت کا درد مفقود اور عنقا ہوتا چلا گیا۔

ع کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

دراصل بات یہ ہے کہ دنیا میں اور دنیا کے کسی بھی معاشرے میں بڑے بڑے بحران اُس وقت آتے ہیں جب خود علم تاریکیوں میں گھر جاتا ہے، جب تعلیم بھٹک جاتی ہے، جب مکتب اپنے مقصود کو گم کر دیتا ہے، اور جب معلّم اپنا فریضہ اور پارٹ صحیح طور سے ادا نہیں کرتا۔ علم اور تعلیم کے بھٹکے ہوئے خورشید و مہ کے پرتو میں نہ سیاست صحتمند رہ سکتی ہے نہ جمہوریت نشو ونما پا سکتی ہے نہ اقتصادی عدل قائم ہو سکتا ہے

نہ بارہویں ترمیم کارگر ہوسکتی ہے اور نہ اخلاقی شعور اتنا زوردار ہوتا ہے کہ جرائم کا راستہ روک سکے نہ قومی خودی اس حد تک توانا ہوسکتی ہے کہ بین الاقوامی مسائل کو حل کرنے کے لیے دفاعی، سفارتی اور نشری قوتوں کو صحیح طور سے بروئے عمل لا سکے۔

دورِ غلامی تو الگ رہا آزادی پانے کے بعد بھی ہم لوگ تعلیم کے بھٹکے ہوئے خورشید کے پرتو میں ۴۳ سال سے جادہ پیمائی کر رہے ہیں۔ اسی کا نتیجہ وہ بحران ہے جو بالکل ابتداء سے آہستہ آہستہ پرورش پا کر اب پوری طرح جوان ہوگیا ہے جو ایک زہریلے اور خطرناک اژدھے کی طرح پوری ملکی سالمیت کو ہڑپ کر لینا چاہتا ہے۔

اگر ہم نگاہ کو ذرا سا وسیع کرکے پورے عالمی ماحول کو دیکھیں تو اس حقیقت سے انکار کرنا ممکن نہیں کہ علوم و فنون، تنظیمات و ادارات، ذرائع و وسائل اور تفریحات و تعیشات کی تیز رفتار افزائش کے باوجود انسان تہذیبی بحران سے دوچار ہے جنگوں، انقلابات، قومی و طبقاتی تعصبات، طرح طرح کے منافرت انگیز متصادم نظریات اور منحوس قسم کے خونخوار جرائم کے ہجوم میں گھرا ہوا بے بس انسان دل و دماغ کا سارا سکون گنوا کر ہمدردی کے ایک مخلصانہ بول کے لیے ترس رہا ہے۔

پس آج ملکی اور قومی لحاظ سے بھی اور عالمی لحاظ سے بھی زندگی کو سنوارنے کے لیے سب سے زیادہ توجہ طلب شعبہ تعلیم کا شعبہ ہے، اس کی درستی پر ہماری اپنی سلامتی کا بھی انحصار ہے اور اسی کو صحیح اصول و مقاصد کے سانچے میں ڈھال کر ہم نئی نسلوں کو اس قابل بنا سکتے ہیں کہ فسادِ بحر و بر میں مبتلا دنیا کو امن و انصاف اور سلامتی و تحفظ کا راستہ دکھا سکیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید سائنسی اور فنی تعلیم معلمِ انسانیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہوئے نظامِ تعلیم کی روشنی میں پڑھی، سیکھی اور پڑھائی جائے۔

جس نہج سے معلمانہ کردار کی اعجاز آفرینی پر تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ گواہ ہے کہ سرزمینِ حجاز کے صحرائی کلاس روم میں معلمِ صدق و صفا سے درس لینے والی تہذیب نا آشنا قوم دیکھتے ہی دیکھتے اقوامِ عالم کیلئے نہ صرف راستی، مساوات، عدل، اخوت، احسان اور امن کی راہنما بن گئی بلکہ اس نے تدبر و تفکر کی کنجیوں سے علوم و فنون کے بند خزانوں کے دروازے ساری نوعِ انسانی کے لیے کھول دیئے۔ حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تیار کردہ جماعت نے بین الاقوامی دورِ تہذیب کا افتتاح کیا اور آج کے فاسد علوم اور بے توازن تحریکوں میں جہاں کہیں کسی قابلِ قدر جوہر کا کوئی ذرہ چمکتا دکھائی دیتا ہے یہ اسی قومِ محمدؐ کے فیضان کی یادگار ہے جو دوسروں کو منزل کا سراغ بتانے کے بعد خود اپنا سراغ گم کر بیٹھی۔

مجھے کسی بھی طویل بحث یا اس موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ احساسِ ندامت دامنگیر ہو جاتا ہے کہ ملت اسلامیہ ہونے کی حیثیت میں ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم ترین معلم ایمان و عمل اور معلم انقلاب کی پیروی کا حق ادا نہیں کیا۔ ہمارا مقام یہ تھا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنی تمام فکری و عملی سرگرمیوں میں سرچشمۂ ہدایت تسلیم کرتے اپنے کاروانِ حیات کو ہر پیچ و خم تاریخ سے گزارتے ہوئے حضور ہی کا دامن قیادت تھامتے اور سیاست اقتصاد و تعلیم و دفاع اور دوسرے تمام شعبہ ہائے کار میں حضور کے معلمانہ منصب سے روشنی حاصل کرتے ۔۔۔۔ مگر ہماری افسوسناک حرکت یہ ہے کہ ہم اس ہستی کو جو قائدِ تہذیب انسانی تھی ایک آراستہ و پیراستہ عجائب خانۂ عقیدت میں مسند آرا کر کے اپنے قافلہ ہائے فکر و عمل کو وادی وادی میں گھماتے پھرتے ہیں۔ موجودہ بحران زدہ تہذیب کے بدراہ اور پراگندہ فکر اکابر کے دروازوں پر ہدایت کی بھیک مانگنے کے لیے مرعوبیت کا کشکول اٹھائے صدا لگاتے ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ علم کیا ہے؟ اس کا مقصد اور اس کے حصول کے ذرائع اور خود اسلام کا نظام تعلیم کیا ہے؟ ان سوالات کو چھیڑتے ہوئے جب ہم مغرب کے نظریۂ علم کو دیکھتے ہیں تو پھر ہم غلامانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور حاملینِ قرآن کی حیثیت سے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس رائج شدہ باطل نظریۂ علم کی وجہ سے تمام علوم بگڑ کر رہ گئے ہیں۔ ان میں جو تھوڑے بہت سچائی کے اجزا ہیں وہ غلط افکار و تاثرات کے ساتھ اس بری طرح خلط ملط ہو گئے ہیں کہ ان کے ذریعہ زندگی کو پوری طرح خیر و خوبی سے آراستہ کرنا ناممکن ہے اور جو نظامِ تعلیم محض ان علوم و افکار کو منتقل کرنے کا وسیلہ بن کے رہ گیا ہو وہ ہمیں نہ تو مسلمان کے سے ایمان و کردار سے آراستہ کر سکتا ہے اور نہ انسان کو موجودہ بحرانی دور سے نجات دلا سکتا ہے۔

اسلام کے سوا تمام نظریہ ہائے تعلیم، نظریہ ہائے حیات اور نظریہ ہائے نظامِ حکومت، آج کی تمام تحریکیں، آج کے تمام سماجی نظام اور آج کے تمام معاشرے اُس طرح کے ریت کے گھروندے ہیں جنہیں بچے ساحل سمندر کی ریت سے بناتے ہیں پھر اپنے حاصلِ محنت کو توڑتے ہیں اور بار بار اسی کھیل کو دہراتے ہیں، غضب یہ کہ وہ اس کھیل کھیل میں اپنے اپنے گھروندوں کو صحیح اور بہتر اور دوسروں کے ریت کے قلعوں کو غلط اور گھٹیا قرار دے کر آپس میں لڑتے ہیں۔

آج کی نشست میں انتہائی دلسوزی کے ساتھ قوم اور اسکے کارفرما حضرات کو اس امر کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ ہمارے سامنے ہمیشہ کیطرح فلاح و سعادت کا اب بھی ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ ہم سچے مسلمانوں کیطرح خلوص کیساتھ اسلام پر عمل پیرا ہوں، اسلام کے نظامِ تعلیم کا اجراء کریں، قول و عمل کا تضاد ترک کر دیں، نظامِ تعلیم کو بنیاد ہی سے مکمل اسلامی سانچے میں ڈھال کر اپنی پوری انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلامی تصورِ حیات پر استوار کریں۔ اپنے تعلیمی، معاشی، تمدنی، قانونی اور سیاسی نظام کو قرآن اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ڈھالیں اور دنیا کے سامنے اس مثالی نظامِ زندگی اور عدل و انصاف کا عملی نمونہ پیش کریں جس کے لیے پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ ☆